ہم گنہگار عورتیں

یہ ہم گنہگار عورتیں
ہیں
جو اہلِ جبّہ کی تمکنت سے
نہ رعب کھائیں
نہ جان بیچیں
نہ سر جھکائیں
نہ ہاتھ جوڑیں
یہ ہم گنہگار عورتیں ہیں
کہ جن کے جسموں کی فصل بیچیں جو لوگ
وہ سرفراز ٹھہریں
نیابتِ امتیاز ٹھہریں
وہ داورِ اہلِ ساز ٹھہریں
یہ ہم گنہگار عورتیں ہیں
کہ سچ کا پرچم اٹھا کے نکلیں
تو جھوٹ سے شاہراہیں اٹی ملے ہیں
ہر ایک دہلیز پہ سزاؤں کی داستانیں رکھی ملے ہیں
جو بول سکتی تھیں، وہ زبانیں کٹی ملے ہیں
یہ ہم گنہگار عورتیں ہیں
کہ اب تعاقب میں رات بھی آئے
تو یہ آنکھیں نہیں بجھیں گی۔
کہ اب جو دیوار گر چکی ہے
اسے اٹھانے کی ضد نہ کرنا!

یہ ہم گنہگار عورتیں ہیں
جو اہلِ جبّہ کی تمکنت سے نہ رعب کھائیں
نہ جان بیچیں
نہ سر جھکائیں، نہ ہاتھ جوڑیں!

کشور ناہید

دفعہ ۱۴۴

ہم اندھے پن کے متلاشی ہیں
جہاں تمیز کی حدیں غائب ہو جاتی ہیں
اور ہم صرف لمس بن کر رہ جاتے ہیں،
لمس - جو معذرت اور التجا کا آئینہ ہے
یہاں غربت اور امیری رہے گی
اس لئے کہ ہم ذہنوں کو چھو کر انہیں بے قیمت کر دیتے ہیں -
درخت پتے پہنتے ہیں
مگر خزاں، وصال کی شہوتوں میں انہیں دور کر دیتی ہے -
ہم بہرے پن کے متلاشی ہیں
کہ جہاں لفظ و معنی، صرف ہلتے لبوں کی جنبش میں
قید ہوتے ہیں
جنبش ----- کٹھ پتلیوں کے تار ذرا بھی غلط ہل جائیں
تو سارا کھیل چوپٹ ہو جاتا ہے
یہ کھیل تو رہے گا
اندر کے خوف کو رعشہ مت بننے دو
ہم گونگے پن کے متلاشی ہیں
کہ تالی بجانے والے آواز استعمال نہیں کرتے ہیں
آواز، آزاد ہو تو نعرہ منصور
اور گھٹ جائے تو حسن ناصر بن جاتی ہے
مگر گونگے چیخ تو سکتے ہیں
یہ کیوں ہے - یہ کیوں ممکن ہے !!

کشور ناہید

موم محل

میرے بیاہ سے پہلے میری ماں
خواب میں ڈر جایا کرتی تھی
اس کی خوفناک چیخوں سے میری آنکھ کھل جاتی تھی
میں اسے جگاتی ، ماجرا پوچھتی
اور وہ خالی آنکھوں گھورتی رہتی
اسے خواب یاد نہیں رہتے تھے ۔
ایک رات خواب میں ڈر کر
اس نے چیخ نہیں ماری
خوف زدہ ہو کر مجھے اپنے ساتھ چمٹا لیا تھا
میں نے ماجرا پوچھا
تو اس نے آنکھیں کھول کر تشکرانہ ادا کرتے ہوئے کہا
"میں نے خواب میں دیکھا تھا
تم ڈوب رہی ہو اور میں نے تمہیں بچانے کو دریا میں چھلانگ لگائی ہے"
اور اس رات بجلی گرنے سے
ہماری بھینس اور میرا منگیتر جل گئے تھے ۔
ایک رات ماں سو رہی تھی اور میں جاگ رہی تھی ،
ماں بار بار مٹھی بند کرتی اور کھولتی
اور یوں لگتا کہ جیسے کچھ پکڑنے کی کوشش میں تھک کر

مگر پھر ہمت باندھنے کو مسہری بند کرتی ہے
میں نے ماں کو جگایا
مگر ماں نے مجھے خواب بتانے سے انکار کر دیا۔
اس دن سے میری نیند اڑ گئی،
میں دوسرے صحن میں آ گئی
اب میں اور میری ماں دونوں خواب میں چیخیں مارتے ہیں
اور جب کوئی پوچھے
تو کہہ دیتے ہیں
ہمیں خواب یاد نہیں رہتے۔

کشور ناہید

گھاس تو مجھ جیسی ہے

گھاس تو مجھ جیسی ہے
پاؤں تلے بچھ کر ہی، زندگی کی مراد پاتی ہے
مگر یہ بھیگ کر کس بات کی گواہی بنتی ہے
شرمساری کی آنچ کی
کہ جذبے کی حدت کی
گھاس بھی مجھ جیسی ہے
ذرا سر اٹھانے کے قابل ہو
تو کاٹنے والی مشین
اسے مخمل بنانے کا سودا لئے
ہموار کرتی رہتی ہے
عورت کو بھی ہموار کرنے کے لئے
تم کیسے کیسے جتن کرتے ہو۔
نہ زمیں کی نمو کی خواہش مرتی ہے
نہ عورت کی۔
میری مانو، تو وہی پگڈنڈی بنانے کا خیال درست تھا
جو حوصلوں کی شکستوں کی آنچ نہ سہہ سکیں
وہ پیوندِ زمیں ہو کر
یونہی زور آوروں کے لئے راستہ بنا دیتے ہیں
مگر وہ پرِ کاہ ہیں
گھاس نہیں
گھاس تو مجھ جیسی ہے!

کشور ناہید

میں کون ہوں

موزے بیچتی جوتے بیچتی عورت میرا نام نہیں
میں تو وہی ہوں جس کو تم دیواریں چن کر
مثل صبا بے خوف ہوئے
یہ نہیں جانا
پتھر سے آواز کبھی بھی دب نہیں سکتی
میں تو وہی ہوں رسم و رواج کے بوجھ تلے
جسے تم نے چھپایا
یہ نہیں جانا
روشنی گھور اندھیروں سے کبھی ڈر نہیں سکتی
میں تو وہی ہوں گود سے جس کی پھول چنے
انگارے اور کانٹے ڈالے
یہ نہیں جانا
زنجیروں سے پھول کی خوشبو چھپ نہیں سکتی
میں تو وہی ہوں میری حیا کے نام پہ تم نے
مجھ کو خریدا مجھ کو بیچا
یہ نہیں جانا
کچے گھڑے پہ تیر کے سوہنی مر نہیں سکتی

میں تو وہی ہوں جس کو تم نے ڈولی بٹھا کے
اپنے سر سے بوجھ اتارا
یہ نہیں جانا
ذہن غلام اگر ہے قوم ابھر نہیں سکتی
پہلے تم نے میری شرم وحیا پہ خوب تجارت کی تھی
میری ممتا ۔ میری وفا کے نام پہ خوب تجارت کی تھی
اب گودوں میں اور ذہنوں میں پھولوں کے کھلنے کا موسم ہے
پوسٹروں پر نیم برہنہ
موزے بیچتی جوتے بیچتی عورت میرا نام نہیں

کشور ناہید

"نائٹ میر"

بکری ذبح ہونے کا انتظار کرتی ہے
اور میں صبح ہونے کا ۔
کہ میں روز دفتر کی میز پر ذبح ہوتی ہوں
جھوٹ بولنے کے لئے
یہی میری قیمت ہے ۔
تازہ قبروں کی طرح پاؤڈر سے لپے ہوئے چہرے
مجھے ملنے آتے ہیں
ذہنوں کے قبرستان میں ایسی سجاوٹیں ہی
زیب دیتی ہیں
میں اور میرا وطن ایک ساتھ پیدا ہوئے تھے
مگر دونوں کی بصارت بچپن ہی میں ماری گئی ۔
میں نے روٹی دیکھی نہیں
اپنے تصور میں اس کی شکل بناتی اور کھاتی ہوں
میرے بہت سے ہم عمر، روٹی صرف خواب میں دیکھتے ہیں ۔
میرے ملک میں عورتیں پہلی کا چاند دیکھ کر دعائیں مانگتی ہیں
اور باقی ساری دعائیں اگلی پہلی کے لئے اٹھا رکھتی ہیں ۔
دوسری شادی کے اجازت نامے پہ انگوٹھا لگانے کے بعد
بھی
وہ پہلی کا چاند دیکھ کر دعائیں مانگتی رہتی ہیں ،
شاید ہم جیسے جھوٹ بولنے والوں کی عاقبت سنوارنے کے لئے ۔

ہم اپنی جنگجویانہ بہادری کے گن گاتے ہیں
اور مکھیاں ہم پر یلغار کرتی رہتی ہیں ۔
ہم اپنے قد سے لمبی تلوار کو اسلاف مانتے ہیں
اور ان کا زنگ اپنی زبانوں پر سجا لیتے ہیں
زنگ خوردہ زبانوں اور زمانوں میں زندگی بسر کرنے والوں کا نام
دفتری بابو ہوتا ہے ۔
جانے والے کا ہر حساب غلط
اور آنے والے کا ہر حساب درست
زنگ خوردہ زبانیں ہی کہہ سکتی ہیں
اب تو تلوار بنانے والا آہن گر، یہ سمجھتا ہے
کہ فتح، وہ تحریر کرتا ہے

کشور ناہید

سنسرشپ

جن زمانوں میں کیمرہ ظلم کو ہمیشہ کے لئے
مجسم نہیں کر سکتا تھا
تمہیں ان زمانوں تک ہی
ظلم کو بہادری کا نام دینے کی تاریخ لکھنی چاہئے تھی۔
آج سلولائیڈ پہ منتقل منظروں کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے
کہ پہاڑی ڈھلوانوں پہ جڑوں سے ٹوٹتے درختوں کی آواز اور
منظر نامہ کیسا ہوتا ہے۔
چاہے تم خوش ہو یا افسردہ
سانس تو لیتے ہو۔
آنکھیں کھولنے یا بند کرنے سے
ذہن پہ نقش، منظر نہیں بدلتا ہے
دریا میں کھڑے درخت کا تنا
لکڑی کا ہی رہتا ہے
مگرمچھ نہیں بنتا ہے۔
ہم کب سے کہانیوں کی چھتوں پر چڑھے یہ سوچ رہے ہیں
کہ یہ شہر ہمارا ہے

بنیاد کی دیواروں کی زمین بیٹھ گئی ہے
مگر اب تک ہم کہانیوں کی چھتوں پہ چڑھے
پھیکی دوپہروں کی اجڑی گلیوں کی ٹوٹی اینٹوں کی
چوڑی دراڑوں کو زندگی سمجھ رہے ہیں۔

کشور ناہید

خود کلامی

مجھے سزا دو
کہ میں نے اپنے لہو سے تعبیر خواب لکھی
جنوں بریدہ کتاب لکھی
مجھے سزا دو
کہ میں نے تقدیس خواب فردا میں جاں گزاری
بہ لطف شب زادگاں گزاری
مجھے سزا دو
کہ میں نے قاتل کو وصف تیغ و علم سکھایا
سروں کو اوج قلم سکھایا
مجھے سزا دو
کہ میں عدو کی صلیب کی محتسب رہی ہوں
ہوا کی زد پہ جلے چراغوں کی روشنی ہوں
مجھے سزا دو
کہ میں نے دوشیزگی کو سودائے شب گماں سے رہائی دی تھی
گھروں کے بجھتے دیوں کو شان خدائی دی تھی
مجھے سزا دو
کہ میں جیوں تو تمہاری دستار گر نہ جائے
مجھے سزا دو
کہ میرے بیٹوں کے ہاتھ اٹھے تو تم نہ ہوگے
کہ ایک بھی تیغِ حرف قوس سے نکلے تو تم نہ ہوگے

مجھے سزا دو
کہ میں تو ہر سانس میں نئی زندگی کی خوگر
حیات و بعد حیات بھی زندہ تر رہوں گی
مجھے سزا دو
کہ پھر تمہاری سزا کی میعاد ختم ہو گی

کشور ناہید

انٹی کلاک وائز

میری آنکھیں، تمہارے تلوے بھی بن جائیں
تو بھی تمہیں یہ خوف نہیں چھوڑے گا
کہ میں دیکھ تو نہیں سکتی
جسموں اور فقروں کو
خوشبو کی طرح محسوس تو کر سکتی ہوں
میری ناک اپنے تحفظ کی خاطر
تمہارے سامنے رگڑ رگڑ کر
بے نشان بھی ہو جائے
تو بھی تمہیں یہ خوف نہیں چھوڑے گا
کہ میں سونگھ تو نہیں سکتی
مگر کچھ بول تو سکتی ہوں
مرے ہونٹ تمہاری مجازیت کے گن
گا گا کر
خشک اور بے روح ہو بھی جائیں
تو بھی تمہیں یہ خوف نہیں چھوڑے گا
کہ میں بول تو نہیں سکتی
مگر چل تو سکتی ہوں
مرے پیروں میں زوجیت
اور شرم و حیا کی بیڑیاں ڈال کر
مجھے مفلوج کر کے بھی
تمہیں یہ خوف نہیں چھوڑے گا
کہ میں چل تو نہیں سکتی

مگر سوچ تو سکتی ہوں
آزاد رہنے، زندہ رہنے
اور مرے سوچنے کا خوف
تمہیں کن کن بلاؤں میں گرفتار کرے گا

کشور ناہید

سرد ملکوں کے آقاؤں کے نام

میرا ملک گرم ہے
میرے ہاتھوں کی تپش کا سبب شاید یہی ہے ۔
میرا ملک گرم ہے
میرے پیروں کے جلنے کا سبب شاید یہی ہے ۔
میرا ملک گرم ہے
میرے بدن پہ آبلوں کا سبب شاید یہی ہے ۔
میرا ملک گرم ہے
میرے گھر کی چھت پگھل کر گر جانے کا سبب شاید یہی ہے ۔
میرا ملک گرم ہے
میری دیواروں کے جھلسا دینے کے رویئے کا سبب شاید یہی ہے ۔
میرا ملک گرم ہے
میرے بچوں کے پیاسے رکھے جانے کا سبب شاید یہی ہے ۔
میرا ملک گرم ہے
میرے بے لباس رکھے جانے کا سبب شاید یہی ہے ۔
میرا ملک گرم ہے
شاید اسی لئے نہ برستے بادلوں کے آنے کا پتہ چلتا ہے ۔
اور نہ سیلابوں کے گزر جانے کا
کہ میری فصلوں کے اجاڑنے کو
کبھی مہاجن کبھی جنگلی جانور ، کبھی آفتیں
اور کبھی خود ساختہ آقا آن دھمکتے ہیں ۔
مجھے اپنے گرم ملک سے نفرت کرنا مت سکھاؤ
مجھے ان آنگنوں میں اپنے گیلے کپڑے سکھانے دو
مجھے اس کے کھلیانوں میں سونا اگانے دو

مجھے اس کے دریاؤں سے پیاس بجھانے دو
مجھے اس کے درختوں کی چھاؤں میں سانس لینے دو
مجھے اس دھوں کو پہننے اور مسافتوں کو اوڑھنے دو

مجھے لمبے ہوتے سایوں کی چھاؤں نہیں چاہیئے
مجھے تو نکلتے سورج کی شعاعوں کی حمایت حاصل ہے
سورج اپنی توانائی میرے ملک میں ارزاں کرتا ہے

کشور ناہید

رجم

"ابن عمر سے روایت ہے کہ جب بدکاری کرنے والے جوڑے کو سنگسار کیا گیا
تو مرد عورت پر جھک جھک جاتا اور اسے پتھروں سے بچاتا"

پاگل تن میں کیوں بستی ہے
یہ وحشی ، تاریک آرزو
بہت قدیم اداس آرزو
تاریکی میں چھپ جانے کی
اک لمحے کو
اک لمحے کو
رب قہار ! یہ معجزہ کیا ہے !
تیرا خلق کیا ہوا آدم
لذت سنگ کا کیوں خواہاں ہے
اس کی سحر زدہ چیخوں میں
یہ کس برزخ کا نغمہ ہے
کیا بھی بدن کے زخم کی لذت
بے تابی سے یوں رقصاں ہے
ہر بن مو سے سرخ و سیاہ لہو کا دریا ابل پڑا ہے -

فہمیدہ ریاض

سورۃ یاسین

یہ آخرِ شب کا سناٹا!
اس نیم اندھیرے رستے پر
جلدی میں قدم بڑھاتی ہوئی
میں ایک اکیلی عورت ہوں
بڑی دیر سے میرے تعاقب میں
اک چاپ ہے جو چلی آتی ہے
گھر ـ ـ ـ ـ!
میرا گھر ـ ـ ـ!
میں اپنے گھر کیسے پہنچوں
سوکھے حلقوم اور بیٹھتے دل سے سوچتی ہوں
شاید میں رستہ بھول گئی
یہ راہ تو میری راہ نہیں
اس راہ سے میں کب گزری تھی
سب گلیوں پر یہاں نام لکھے
اس گلی پہ کوئی نام نہیں
اور دور دور تک دم سادھے
یہ سارے گھر انجانے ہیں
لو پیلے چاند کا ٹکڑا بھی
کالے پتوں میں ڈوب گیا
اب کچھ بھی نہیں
بس میرے منہ میں خوف سے بھاری اور مفلوج زباں ہے
یا
تلوؤں سے اوپر چڑھتی ہوئی
میرے انگ انگ میں رچی ہوئی
اک خنکی ہے

فہمیدہ ریاض

اے والیِ و ربِ کون و مکاں

ڈوب گئی خاموشی میں مغرب کی اذاں
کیسا سکوت ہے ، والیِ و ربِ کون و مکاں
الحمدللہ ربِ العالمین
سب تعریف خدا کی ہے ، جو ہے بہت عظیم
بارش سے نکھرا نکھرا شفاف فلک
نیلا نیلا حد نظر تک پھیلا ہے
سبزے کی مخمل سے ڈھکی ہے نرم زمین
الحمدللہ ربِ العالمین
سب تعریف خدا کی ہے ، جو ہے بہت عظیم
کیسی سوچ نے میرے دل میں چٹکی لی
کیسے دھیان سے میری آنکھیں بھر آئیں
سینے میں کیوں سناٹا سا چھایا ہے
یہ میرے سجدے میں تذبذب کیسا ہے
لب پہ دعائیں آکے بنیں کیوں بے معنی
جیسے میرا اندر ہو سنسان اجاڑ
کوئی تو آئے کوئی تو آکر دستک دے
کیسے کھولوں اپنے دل کے بند کواڑ

فہمیدہ ریاض

لاؤ، ہاتھ اپنا لاؤ ذرا

لاؤ، ہاتھ اپنا لاؤ ذرا
چھو کے میرا بدن
اپنے بچے کے دل کا دھڑکنا سنو
ناف کے اس طرف
اس کی جنبش کو محسوس کرتے ہو تم؟
بس یہیں چھوڑ دو
تھوڑی دیر اور اس ہاتھ کو میرے ٹھنڈے بدن پر یہیں چھوڑ دو
میرے بے کل نفس کو قرار آگیا
میرے عیسیٰ مرے درد کے چارہ گر
میرا ہر موئے تن
اس ہتھیلی سے تسکین پانے لگا
اس ہتھیلی کے نیچے مرا لال کروٹ سی لینے لگا
انگلیوں سے بدن اس کا پہچان لو
تم اسے جان لو
چومنے دو مجھے اپنی یہ انگلیاں
ان کی ہر پور کو چومنے دو مجھے
ناخنوں کو لبوں سے لگا لوں ذرا
اس ہتھیلی میں منہ تو چھپا لوں ذرا
پھول لاتی ہوئی یہ ہری انگلیاں
میری آنکھوں سے آنسو ابلتے ہوئے
ان سے سینچوں گی میں
پھول لاتی ہوئی انگلیوں کی جڑیں۔ چومنے دو مجھے
اپنے بال، اپنے ماتھے کا چاند، اپنے لب
یہ چمکتی ہوئی کالی آنکھیں

مرے کانپتے ہونٹ، مری چھلکتی ہوئی آنکھ کو دیکھ کر کتنی حیران ہیں
تم کو معلوم کیا - تم کو معلوم کیا
تم نے جانے مجھے کیا سے کیا کر دیا
میرے اندر اندھیرے کا آسیب تھا -
یا کراں تا کراں ایک انمٹ خلا
یوں ہی پھرتی تھی میں
زلیست کے ذائقے کو ترستی ہوئی
دل میں آنسو بھرے، سب پہ ہنستی ہوئی
تم نے اندر میرا اس طرح بھر دیا
پھوٹتی ہے مرے جسم سے روشنی
سب مقدس کتابیں جو نازل ہوئیں
سب پیمبر جو اب تک اتارے گئے
سب فرشتے کہ ہیں بادلوں سے پرے
رنگ سنگیت، سُر، پھول، کلیاں، شجر
صبحدم پیڑ کی جھومتی ڈالیاں
ان کے مفہوم جو بھی بتائے گئے
خاک پر بسنے والے بشر کو مسرت کے جتنے بھی نغمے سنائے گئے
سب رشی، سب منی، انبیاء اولیا
خیر کے دیوتا، حسن، نیکی، خدا - - - -
آج سب پر مجھے
اعتبار آگیا - اعتبار آگیا

فہمیدہ ریاض

آڈن کے نام

یہ سچ ہے مرے فلسفی
میرے شاعر
وہ وقت آ گیا ہے
کہ دنیا کے بوڑھے فریبی معلّم کا جبّہ پکڑ کر
نئے لوگ کہہ دیں
کتابیں بدل دو!
یہ جھوٹی کتابیں
جو ہم کو پڑھاتے چلے آ رہے ہیں
حقیقت کے رخ سے
یہ بے معنی فرسودہ لفظوں کے پردے ہٹا دو
جلا دو
کتابیں جو ہم نے پڑھی ہیں
جلا دو
کتابیں جو کہتی ہیں دنیا میں حق جیتتا ہے
یہ سب کذب و بیہودہ گوئی مٹا دو
یہ سب کچھ غلط ہے
کہ ہم جانتے ہیں
کہ جھوٹ اور سچ میں ہمیشہ ہوئی جنگ
اور
جھوٹ جیتا ہے
کہ نفرت امر ہے
کہ طاقت ہے برحق
کہ سچ ہارتا ہے
کہ شیطان نیکی کے احمق خدا سے بڑا ہے

فہمیدہ ریاض

باکرہ

آسمان تپتے ہوئے لوہے کی مانند سفید
ریگ سوکھی ہوئی پیاسے کی زبان کے مانند
پیاس حلقوم میں ہے، جسم میں ہے، جان میں ہے
سر بہ زانو ہوں۔ جھلستے ہوئے ریگستاں میں
تیری سرکار میں لے آئی ہوں یہ وحشِ ذبیح!
مجھ پہ لازم تھی جو قربانی وہ میں نے کر دی
اس کی ابلی ہوئی آنکھوں میں ابھی تک ہے چمک
اور سیہ بال ہیں بھیگے ہوئے خوں سے اب تک
تیرا فرمان یہ تھا اس پہ کوئی داغ نہ ہو
سو یہ بے عیب اچھوتا بھی تھا ان دیکھا بھی

بے کراں ریگ میں سب گرم لہو جذب ہوا
دیکھ چادر پہ مری ثبت ہے اس کا دھبا
اے خداوند کبیر
اے جبّار!
متکبّر و جلیل!
ہاں ترے نام پڑھے اور کیا ذبح اسے
اب کوئی پارہ ابر آئے، کہیں سایہ ہو
اے خداوندِ عظیم
بادِ تسکیں! کہ نفس آگ بنا جاتا ہے!
قطرۂ آب کہ جاں لب پہ چلی آئی ہے

فہمیدہ ریاض

کوتوال بیٹھا ہے

کوتوال بیٹھا ہے
کیا بیاں دیں اس کو
(جان جیسے تڑپی ہے
کچھ عیاں نہ ہو پائے
وہ گزر گئی دل پر
جو بیاں نہ ہو پائے)

لو بیان دیتے ہیں
ہاں لکھو کہ سب سچ ہے
سب درست الزامات
اپنا جرم ثابت ہے
جو کیا بہت کم تھا
صرف یہ ندامت ہے
کاش وقت پھر آئے
حق ادا ہوا ہے
کب ۔ ۔

یہ کرو اضافہ اب
جب تلک ہے دم میں دم
پھر وہی کریں گے ہم
ہو سکا تو کچھ بڑھ کر
پھر وہ حرف لکھیں گے
تیرہ زاد ہر آمر
کانپ اٹھے جسے پڑھ کر

پھر وہ گیت چھیڑیں گے

بستہ دستِ ہر مظلوم
جھوم اٹھے جسے گا کر
چیتھڑا ہے یہ قانون!
باغیوں کے قدموں کی
اس سے دھول جھاڑیں گے
آمری نحوست ہے
یہ نظامِ احکامات
بیچ چوک پھاڑیں گے

وقت آنے والا ہے
احتساب ہم لیں گے
جب حساب ہم لیں گے
پھر جواب دینے کو
تم مگر کہاں ہو گے

خار و خس سے کم تر ہو
راستے کے کنکر ہو
جس نے راہ گھیری ہے

وہ تمہارا آقا ہے
ہم نے دل میں ٹھانی ہے
راہ صاف کر دیں گے
تم، کہ صرف نوکر ہو
تم کو معاف کر دیں گے

فہمیدہ ریاض

تصویر

مرے دل کے نہاں خانے ہیں اک تصویر ہے میری
خدا جانے اسے کس نے بنایا ، کب بنایا تھا
یہ پوشیدہ ہے میرے دوستوں سے اور مجھ سے بھی
کبھی بھولے سے لیکن میں اسے گر دیکھ لیتی ہوں
اسے خود سے ملاؤں تو مرا دل کانپ جاتا ہے

فہمیدہ ریاض

خانہ تلاشی

کوتوال :-
"دیکھو بی بی ، یہ پروانہ خانہ تلاشی کا لایا ہوں
نفری ساتھ ہے ۔ لیکن اس کو گلی میں دور بٹھا آیا ہوں
سوچا . میں خود ہی کافی ہوں
ہے درکار ہمیں اک مضموں
رسوائی سے کیا حاصل ہے خود ہی آپ نکال کے لادیں
ورنہ گھر میں کہاں چھپا ہے ؟ سیدھی طرح ہمیں دکھلا دیں" ۔
اپنے گھر کو اس طرح پہلے کبھی دیکھا نہ تھا
دل دھڑکتا سن رہی ہوں میں در و دیوار میں
سنگ و آہن کی وریدوں سے ٹپکتا ہے لہو
گرم سانسیں ، جاگتی آنکھیں ، کھلے لب چار سو
مجھ سے سرگوشی میں پھر اک بار دوہراتے ہوئے
سات جنموں کا بندھا پیماں وطن کی خاک سے
چار دیواریں مری دھرتی تری آغوش میں
عافیت کی چار گھڑیاں مجھ پہ تیرا قرض ہیں
کتنے تہہ خانے ابھر آئے نظر کے سامنے
کتنے امکاں ہیں کہ جن کے آج مجھ پر در کھلے
کھل گئی قدموں تلے میری مرادوں کی سرنگ
جس کی دیواروں پہ روشن زندگی کے سات رنگ

اب فصیلِ شہر پر ہوں گے نئے مضمون رقم
اے گزرتے پل! تیری پامال حرمت کی قسم
جس گلی میں میرا گھر ہے، سرخ اس کی دھول ہے
اس دریچہ سے پرے لالہ کا کھلتا پھول ہے
اس قدر خطرے کا باعث ایک ماضی کی کتاب!
دیکھ یہ چلمن ہٹا کر میرے مستقبل کا خواب!

فہمیدہ ریاض

چادر اور دیواری

حضور میں اس سیاہ چادر کا کیا کروں گی
یہ آپ کیوں مجھ کو بخشتے ہیں ، بصد عنایت !

نہ سوگ میں ہوں کہ اس کو اوڑھوں
غم و الم خلق کو دکھاؤں
نہ روگ ہوں میں کہ اس کی تاریکیوں میں خفت سے ڈوب جاؤں
نہ میں گنہ گار ہوں نہ مجرم
کہ اس سیاہی کی مہر اپنی جبیں پہ ہر حال میں لگاؤں
اگر نہ گستاخ مجھ کو سمجھیں

اگر میں جان کی امان پاؤں
تو دست بستہ کروں گزارش
کہ بندہ پرور !
حضورؐ کے حجرہ معطر میں ایک لاشہ پڑا ہوا ہے
نہ جانے کب کا گلا سڑا ہے
یہ آپ سے رحم چاہتا ہے
حضور اتنا کرم تو کیجیے
سیاہ چادر مجھے نہ دیجیے
سیاہ چادر سے اپنے حجرہ کی بے کفن لاش ڈھانپ دیجیے
کہ اس سے پھوٹی ہے جو عفونت
وہ کوچے کوچے میں ہانپتی ہے
وہ سر پٹکتی ہے چوکھٹوں پر
برہنگی اپنی ڈھانکتی ہے
سنیں ذرا دلخراش چیخیں

بنا رہی ہیں عجب ہیولے
جو چادروں میں بھی ہیں برہنہ
یہ کون ہیں؟ جانتے تو ہوں گے
حضور پہچانتے تو ہوں گے
یہ لونڈیاں ہیں!
کہ یرغمالی حلال شب بھر رہیں۔
دم صبح در بدر ہیں
یہ باندیاں ہیں!

حضور کے نطفۂ مبارک کے نصف ورثہ سے معتبر ہیں
یہ بیبیاں ہیں!
کہ زوجگی کا خراج دینے
قطار اندر قطار باری کی منتظر ہیں۔
یہ بچیاں ہیں!
کہ جن کے سر پر پھرا جو حضرت کا دست شفقت

تو کم سنی کے لہو سے ریش سپید رنگین ہوگئی ہے۔
حضور کے حجلۂ معطر میں زندگی خون رو گئی ہے
پڑا ہوا ہے جہاں یہ لاشہ
طویل صدیوں سے قتل انسانیت کا یہ خوں چکاں تماشا
اب اس تماشے کو ختم کیجئے
حضور اب اس کو ڈھانپ دیجئے!
سیاہ چادر تو بن چکی ہے مری نہیں آپ کی ضرورت

کہ اس زمیں پر وجود میرا نہیں فقط اک نشان شہوت
حیات کی شاہراہ پر جگمگا رہی ہے مری ذہانت
زمیں کے رخ پر جو ہے پسینہ تو جھلملاتی ہے میری محنت
یہ چار دیواریاں ، یہ چادر ، گلی سڑی لاش کو مبارک
کھلی فضاؤں میں بادباں کھول کر بڑھے گا مرا سفینہ
میں آدم نو کی ہم سفر ہوں
کہ جس نے جیتی مری بھروسا بھری رفاقت !

فہمیدہ ریاض

وہ اک زن ناپاک ہے

وہ اک زن ناپاک ہے
بہتے لہو کی قید میں
گردش میں ماہ و سال کی
دہکی ہوس کی آگ میں
اپنی طلب کی چاہ میں
زائیدۂ ابلیس تھی
چل دی اسی کی راہ میں
اس منزل موہوم کو
جس کا نشاں پیدا نہیں
سنگم وہ نور و نار کا
جس کا پتا ملتا نہیں
ابلے لہو کے جوش سے
پستان اس کے پھٹ چکے
ہر نوکِ خارِ راہ سے
بندِ لحم سب کٹ چکے
اس کے بدن کی شرم پر
تقدیس کا سایہ نہیں

لیکن خدائے بحر و بر
ایسا کبھی دیکھا نہیں
فرمان تیرے سب روا
ہاں اس زن ناپاک کے
لب پر نہیں کوئی دعا
سر میں کوئی سجدہ نہیں

فہمیدہ ریاض

اقلیما

اقلیما
جو ہابیل کی قابیل کی ماں جائی ہے
ماں جائی
مگر مختلف
مختلف بیچ میں رانوں کے
اور پستانوں کے ابھار میں
اور اپنے پیٹ کے اندر
اور کوکھ میں
ان سب کی قسمت کیوں ہے
اک فربہ بھیڑ کے بچے کی قربانی
وہ اپنے بدن کی قیدی
تپتی ہوئی دھوپ میں جلتے
ٹیلے پر کھڑی ہوئی ہے
پتھر پر نقش بنی ہے
اس نقش کو غور سے دیکھو
لمبی رانوں سے اوپر
ابھرے پستانوں سے اوپر
پیچیدہ کوکھ سے اوپر
اقلیما کا سر بھی ہے
اللہ کبھی اقلیما سے بھی کلام کرے
اور کچھ پوچھے!

فہمیدہ ریاض

*A
ov

ایک عورت کی ہنسی

پتھریلے کوہسار کے گاتے چشموں میں
گونج رہی ہے اک عورت کی نرم ہنسی
دولت ، طاقت اور شہرت ، سب کچھ بھی نہیں
اس کے بدن میں چھپی ہے اس کی آزادی
دنیا کے معبد کے نئے بت کچھ کر لیں
سن نہیں سکتے اس کی لذت کی سسکی
اس بازار میں گو ہر مال بکاؤ ہے
کوئی خرید کے لائے ذرا تسکین اس کی
اک سرشاری جس سے وہ ہی واقف ہے
چاہے بھی تو اس کو بیچ نہیں سکتی
وادی کی آوارہ ہواؤ ! آجاؤ
آؤ اور اس کے چہرے پر بوسے دو
اپنے لمبے لمبے بال اڑاتی جائے

فہمیدہ ریاض

عورت اور نمک

عزت کی بہت سی قسمیں ہیں
گھونگھٹ ۔ تھپڑ ، گندم
عزت کے تابوت میں قید کی میخیں ٹھونکی گئی ہیں
گھر سے لے کر فٹ پاتھ تک ہمارا نہیں
عزت ہمارے گزارے کی بات ہے
عزت کے نیزے سے ہمیں داغا جاتا ہے
عزت کی کنی ہماری زباں سے شروع ہوتی ہے
کوئی رات ہمارا نمک چکھ لے
تو ایک زندگی ہمیں بے ذائقہ روٹی کہا جاتا ہے
یہ کیسا بازار ہے
کہ رنگ ساز ہی پھیکا پڑا ہے
خلا کی ہتھیلی پہ پتنگیں مر رہی ہیں
میں قید میں بچے جنتی ہوں
جائز اولاد کے لئے زمین کھلنڈری ہونی چاہیئے
تم ڈر میں بچے جنتی ہو اسی لئے آج تمہاری کوئی نسل نہیں
تم جسم کے ایک بند سے پکاری جاتی ہو
تمہاری حیثیت میں تو چال رکھ دی گئی ہے
ایک خوبصورت چال
جھوٹی مسکراہٹ تمہارے لبوں پہ تراش دی گئی ہے
تم صدیوں سے نہیں روئیں

کیا ماں ایسی ہوتی ہے
تمہارے بچے پھیکے کیوں پڑے ہیں
تم کس کنبے کی ماں ہو
ریپ کی ۔ قید کی ۔ بٹے ہوئے جسم کی
یا اینٹوں میں چنی ہوئی بیٹیوں کی
بازاروں میں تمہاری بیٹیاں
اپنے لہو سے بھوک گوندھتی ہیں
اور اپنا گوشت کھاتی ہیں
یہ تمہاری کون سی آنکھیں ہیں
یہ تمہارے گھر کی دیوار کی کونسی چنائی ہے
تم نے میری ہنسی میں تعارف رکھا
اور اپنے بیٹے کا نام سکہ رائج الوقت
آج تمہاری بیٹی اپنی بیٹیوں سے کہتی ہے
میں اپنی بیٹی کی زبان داغوں گی
لہو تھوکتی عورت دھات نہیں
چوڑیوں کی چور نہیں
میدان میرا حوصلہ ہے
انگارہ میری خواہش
ہم سر پہ کفن باندھ کر پیدا ہوئے ہیں
کوئی انگوٹھی پہن کر نہیں
جسے تم چوری کر لو

سارہ شگفتہ

شیلی بیٹی کے نام

تجھے جب بھی کوئی دکھ دے
اس دکھ کا نام بیٹی رکھنا
جب میرے سفید بال
تیرے گالوں پہ آن ہنسیں، رو لینا
میرے خواب کے دکھ پہ سو لینا
جن کھیتوں کو ابھی اگنا ہے
ان کھیتوں میں
میں دیکھتی ہوں تیری انگیا بھی
بس پہلی بار ڈری بیٹی
میں کتنی بار ڈری بیٹی
ابھی پیڑوں میں چھپے تیرے کمان ہیں بیٹی
میرا جنم تو ہے بیٹی
اور تیرا جنم تیری بیٹی
تجھے نہلانے کی خواہش میں
میری پوریں خون تھوکتی ہیں

سارہ شگفتہ

چاند کتنا تنہا ہے

پنجرے کا سایہ بھی قید ہے
لباس کا سایہ میں ہوتی جا رہی ہوں
میرے ہاتھ دوسروں میں بس رہتے ہیں
مٹی اکیلی ہو گئی ہے
اکیلا دریا سمندر رکیوں گیا
فیصلہ کتنا تنہا ہے
روٹھ روٹھ جاتی ہوں مرنے والوں سے
اور جاگ اٹھتی ہوں آگ میں
گونج رہی ہوں پتھر میں
ڈوب چلی ہوں مٹی میں کونسا پیڑ اگے گا
میرے دکھوں کا نام بچہ ہے
میرے ہاتھوں میں ٹوٹے کھلونے
اور آنکھوں میں انسان ہے
بے شمار جسم مجھ سے آنکھیں مانگ رہے ہیں
میں کہاں سے اپنی ابتدا کروں
آسمانوں کی عمر میری عمر سے چھوٹی ہے
پرواز زمین نہیں رکھتی
ہاتھ کس کی آواز ہیں
میرے جھوٹ سہہ لینا
جب جنگل سے پرندوں کو آزاد کر دو
چراغ کو آگ چکھتی ہے
میں ذات کی منڈیر پر کپڑے سکھاتی ہوں
میرے فاصلے میں آنکھ ہے

میرے لباس میرے دکھ ہیں
میں آگ کا لباس پہننے والی

اپنی چھاؤں کا نام بتاؤں
میں تمام راتوں کے چاند تمہیں دیتی ہوں

سارہ شگفتہ

سمجھوتہ

ملائم گرم سمجھوتے کی چادر
یہ چادر میں نے برسوں میں بنی ہے
کہیں بھی سچ کے گل بوٹے نہیں ہیں
کسی بھی جھوٹ کا ٹانکا نہیں ہے

اسی سے میں بھی تن ڈھک لوں گی اپنا
اسی سے تم بھی آسودہ رہو گے!
نہ خوش ہوگے ، نہ پژمردہ رہو گے

اسی کو تان کر بن جائے گا گھر
بچھا لیں گے تو کھل اٹھے گا آنگن
اٹھا لیں گے تو گر جائے گی چلمن

زہرا نگاہ

گل چاندنی

کل شام یاد آیا مجھے !
ایسے کہ جیسے خواب تھا
کونے میں آنگن کے مرے
گل چاندنی کا پیڑ تھا

میں ساری ساری دوپہر
سائے میں اس کے کھیلتی
پھولوں کو چھو کر بھاگتی
شاخوں سے مل کر جھولتی
اس کے تنے میں بیسیوں !
لوہے کی کیلیں تھی جڑی
کیلوں کو مت چھونا کبھی
تاکید تھی مجھ کو یہی !
یہ راز مجھ پہ فاش تھا

اس پیڑ پر آسیب تھا !
اک مرد کامل نے مگر
ایسا عمل اس پر کیا
باہر وہ آ سکتا نہیں !!
کیلوں میں اس کو جڑ دیا
ہاں کوئی کیلوں کو اگر
کھینچے گا اوپر کی طرف !
آسیب بھی چھٹ جائے گا
پھولوں کو بھی کھا جائے گا

پتوں پہ بھی منڈلائے گا
پھر دیکھتے ہی دیکھتے
یہ گھر کا گھر جل جائے گا
اس صحن جسم و جاں میں بھی
گل چاندنی کا پیڑ ہے!
سب پھول میرے ساتھ ہیں
پتے مرے ہمزاد ہیں
اس پیڑ کا سایہ مجھے!
اب بھی بہت محبوب ہے
اس کے تنے میں آج تک
آسیب وہ محصور ہے
یہ سوچتی ہوں آج بھی!
کیلوں کو گر چھیڑا کبھی
آسیب بھی چھٹ جائے گا
پتوں سے کیا لینا اسے
پھولوں سے کیا مطلب اسے
بس گھر مرا جل جائے گا
کیا گھر مرا جل جائے گا؟

زہرا نگاہ

جرم وعدہ

مرے بچے ہزاروں بار میں نے تم کو اک قصہ سنایا ہے
کبھی لوری کے آنچل میں
کبھی باتوں کے جھولے میں تمہیں بہلا کے لپٹا کے سلایا ہے
تمہارے گرم رخساروں کو اپنے سرد ہونٹوں سے چھوا ہے
تم سے اک وعدہ کیا ہے
وہی وعدہ، جو انسانوں کی تقدیروں میں لکھا ہے
تحفظ کا، تمہاری آبرو کا، سربلندی کا
مرے بچے
کہانی میں تھکی ہاری جو لڑکی تھی
وہ شہزادی نہیں میں تھی
وہ جادو کا محل جو ایک پل میں جل کے صحرا ہو گیا تھا، وہ مرا گھر تھا
جہاں آنکھوں کی سوئیاں رہ گئی تھیں
خواب میرے تھے
میں جن میں گھر گئی تھی
غیر کیا سب میرے اپنے تھے
جہاں اس کا فسانہ تھا
وہیں میری حقیقت تھی

جہاں وہ مڑ کے پتھر ہو گئے
میری محبت تھی
ہزاروں آگ کے میدان تھے
بارش لہو کی تھی
یہ سب کچھ میرا قصہ تھا
یہ سب کچھ مجھ پہ گزری تھی
مرے بچے کہانی میں
تھکی ہاری جو لڑکی تھی
وہ شہزادی نہیں میں تھی

جہاں قصے کا آخر تھا
مرے بچے
وہاں تم تھے
خوشی کی زندگانی کی علامت
تمناؤں کا اک خواب مسلسل
رفاقت کی صداقت کی ضمانت
جہاں پر صرف خوش انجام تھا ہر ایک افسانہ
مرے بچے! وہاں تم تھے، وہاں تم تھے۔
مری آنکھیں کسی پیماں کے زخموں سے بوجھل تھیں
تمہارا عکس ان زخموں کا مرہم تھا
ادھورے عہد کے رشتے سے میرے ہاتھ لرزاں تھے
تمہارا ساتھ اک تسکین پیہم تھا

مجھے اقرار تھا
میں خاک ہوں
تم حسن و زیبائش
مجھے احساس تھا
میں خوف ہوں
تم امن و آسائش
میں ماضی ہوں
مگر تم صورت فردا فروزاں ہو
میں مشکل ہوں
مگر تم صورت امید آسان ہو۔
مرے بچے
مرا احساس اور اقرار دونوں آج مجرم ہیں
میں اپنا سر جھکائے اپنی فرد جرم سنتی ہوں
بجائے گل ردائے آرزو سے خار چنتی ہے

تمہیں معلوم ہے
الزام کیا ہے
وہی وعدہ جو انسانوں کی تقدیروں میں لکھا ہے
تحفظ کا، تمہاری آبرو کا، سربلندی کا

زہرا نگاہ

ایک لڑکی

کیسا سخت طوفاں تھا
کتنی تیز بارش تھی
اور میں ایسے موسم میں
جانے کیوں بھٹکتی تھی

وہ سڑک کے اس جانب
روشنی کے کھمبے سے!
سر لگائے استادہ
آنے والے گاہک کے
انتظار میں گم تھی!
خال و خد کی آرائش
بہ رہی تھی بارش میں
تیر نوک مژگاں کے
مل گئے تھے مٹی میں

گیسوؤں کی خوش رنگی
اڑ رہی تھی جھونکوں میں
میں نے دل میں یہ سوچا
آب و باد کا ریلا!
اس کو راکھ کر دے گا
یہ سجا بنا چہرہ!
کیا ڈراونا ہو گا
پھر بھی اس کو لے جانا
آنے والے گاہک کا
اپنا حوصلہ ہو گا!

بارشوں نے جب اس کا،
رنگ و روپ دھو ڈالا
میں نے ڈرتے ڈرتے پھر
اس کو غور سے دیکھا
سیدھا سادا چہرہ تھا
بھولا بھالا نقشا تھا
رنگ کم سنی جس پر
کیسے ڈھل کے آیا تھا،
زرد پھول سا پتا،
گیسوؤں میں الجھا تھا،
شبنمی سا اک قطرہ!
آنکھ پر لرزتا تھا
راکھ کی جگہ اس جا
اک دیا سا جلتا تھا

مجھ کو یوں لگا ایسے!
جیسے میری بیٹی ہو
میری ناز کی پالی،
میری کوکھ جائی ہو
ڈال سے بندھا جھولا
طاق میں سجی گڑیاں
گھر میں چھوڑ آئی ہو
تیز تیز چلنے پر
میں نے اس کو ٹوکا ہو

ہاتھ تھام لینے پر
میرا اس کا جھگڑا ہو
کھو گئی ہو میلے میں
بہ گئی ہو ریلے میں
اور پھر اندھیرے میں
اپنے گھر کا دروازہ
خود نہ دیکھ پائی ہو!
دفعتاً یہ دل چاہا
اس کو گود میں بھر لوں
لے کے بھاگ جاؤں میں
ہاتھ جوڑ لوں اس کے
چوم لوں یہ پیشانی!
اور اسے مناؤں میں
پھر سے اپنے آنچل کا
گھونسلا بناؤں میں!
اور اسے چھپاؤں میں

زہرا نگاہ